بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ط

اشارات

دنیا میں عملاً اسلامی نظام زندگی قائم کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ کی مدد کے بعد دوسری اہم ترین چیز جس پر کامیابی کا انحصار ہے وہ اس کام کی سعی کرنے والوں کے اپنے اوصاف ہیں۔ چند اوصاف ایسے ہیں جو فرداً فرداً ان میں سے ہر ایک کی ذات میں ہونے چاہئیں۔ چند دوسرے اوصاف ان کے اندر اجتماعی طور پر پائے جانے چاہئیں۔ چند اور اوصاف اصلاح و تعمیر کی خدمت انجام دینے کے لیے ضروری ہیں۔ اور چند برائیاں ایسی ہیں جن سے اگر وہ اپنے آپ کو محفوظ نہ رکھیں تو ان کے سارے کیے دھرے پر پانی پھر سکتا ہے۔ ان امور کو سب سے پہلے ذہن نشین ہونا چاہیے تاکہ وہ تمام لوگ جو اس خدمت کا سچا جذبہ رکھتے ہیں، مطلوب اوصاف کو اپنے اندر پرورش کرنے اور نامطلوب اوصاف سے اپنے آپ کو پاک کرنے کی طرف خاص طور سے متوجہ ہوں۔ تعمیر معاشرہ کے لیے یہ تعمیر ذات شرطِ اول ہے، کیونکہ جو خود نہ سنورے وہ دوسروں کو سنوارنے کے لیے کچھ نہیں کر سکتا۔

انفرادی اوصاف میں سب سے پہلی چیز اسلام کا صحیح فہم ہے۔ جو آدمی اسلامی نظام زندگی کو برپا کرنا چاہتا ہو اسے پہلے خود اُس چیز کو اچھی طرح جاننا اور سمجھنا چاہیے جسے وہ برپا کرنا چاہتا ہے۔ اس غرض کے لیے اسلام کا محض اجمالی علم کافی نہیں ہے، بلکہ کم و بیش تفصیلی علم درکار ہے، اور اس کی کمی و بیشی آدمی کی استعداد پر موقوف ہے۔ یہ ضروری نہیں ہے کہ اس راہ کا ہر رہرو اور اس تحریک کا ہر کارکن مفتی یا مجتہد ہو، لیکن یہ بہرحال ضروری ہے کہ ان میں سے ہر ایک اسلامی عقائد کو جاہلی افکار و اوہام سے، اور اسلامی طرزِ عمل کو جاہلیت کے طور طریقوں سے ممیز کر کے جان لے، اور اس بات سے واقف ہو جائے کہ زندگی کے مختلف شعبوں میں اسلام نے انسان کو کیا رہنمائی دی ہے۔ اس علم و واقفیت کے بغیر نہ آدمی خود صحیح راستے پر چل سکتا ہے، نہ دوسروں کو راستہ

دکھا سکتا ہے، اور نہ تعمیر معاشرہ کے لیے کوئی کام صحیح خطوط پر کر سکتا ہے۔ عام کارکنوں کو یہ واقفیت اس حد تک ہونی چاہیے کہ وہ دیہاتی اور شہری عوام کو سیدھے سادھے طریقے سے دین سمجھا سکیں۔ لیکن عمدہ ذہنی صلاحیتیں رکھنے والے لوگوں کو اس میں اتنا درک بہم پہنچانا چاہیے کہ وہ ذہین طبقوں کو متاثر کر سکیں، تعلیم یافتہ لوگوں کے شکوک اور الجھنیں رفع کر سکیں، مخالفین کے اعتراضات کا مدلل اور اطمینان بخش جواب دے سکیں، زندگی کے مختلف النوع مسائل کو اسلام کی روشنی میں حل کر سکیں، اسلامی نقطہ نظر سے علوم و فنون کی تدوین جدید کر سکیں، اور اسلام کی ازلی و ابدی بنیادوں پر ایک نئی تہذیب اور نئے تمدن کی عمارت اٹھا سکیں۔ ان میں اتنی تنقیدی صلاحیت ہونی چاہیے کہ موجودہ زمانے کے نظام فکر و عمل میں سے سقیم اجزاء کو سلیم اجزاء سے الگ کر سکیں، اور ساتھ ساتھ اتنی تعمیری صلاحیت بھی ہونی چاہیے کہ جو کچھ توڑنے کے لائق ہے اسے توڑ کر ایک بہتر چیز اس کی جگہ بنا سکیں اور جو کچھ رکھنے کے لائق ہے اسے باقی رکھ کر ایک بہتر نظام میں اس کو استعمال کر سکیں۔

علم و معرفت کے بعد دوسرا ضروری وصف جو اس مقصد کے لیے کام کرنے والوں میں ہونا چاہیے وہ یہ ہے کہ جس دین پر وہ نظام زندگی کی تعمیر کرنا چاہتے ہیں وہ خود اس پر پختہ ایمان رکھتے ہوں، ان کا اپنا دل اس کے صحیح و برحق ہونے پر مطمئن ہو، اور ان کا اپنا ذہن اس کے معاملے میں پوری طرح یکسو ہو جائے۔ شک اور تذبذب اور تردد لیے ہوئے کوئی شخص اس کام کو نہیں کر سکتا۔ دماغی الجھنیں اور تفرقۂ فکر کی پراگندگیاں لے کر یہ کام نہیں کیا جا سکتا۔ کوئی ایسا آدمی اس کام کے لیے موزوں نہیں ہو سکتا جس کا دل ڈانوا ڈول ہو، جس کا ذہن یکسو نہ ہو، اور جسے خیال و عمل کی مختلف راہیں اپنی طرف کھینچ رہی ہوں، یا کھینچ سکتی ہوں۔ یہ کام تو جسے بھی کرنا ہو اسے قطعی طور پر اس بات کا یقین ہونا چاہیے کہ خدا ہے اور انہی صفات سے متصف، انہی اختیارات کا مالک، اور انہی حقوق کا مستحق ہے جو قرآن میں بیان ہوتے ہیں۔ آخرت ہے اور یہ ٹھیک ٹھیک ویسی ہی ہے جیسی قرآن میں بتائی گئی ہے۔ راہ راست صرف ایک ہے اور وہ وہی ہے جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے دکھائی ہے۔ ہر وہ چیز باطل ہے جو اس کے خلاف ہو، یا اس سے موافقت نہ رکھتی ہو۔

جو خیال بھی کسی دوسرے نے پیش کیا ہے، اور جو طریقہ بھی کسی دوسرے نے نکالا ہے اس کو جانچنے کی کسوٹی صرف ایک ہے اور وہ ہے اللہ کی کتاب اور اس کے رسول کی سنّت۔ اس کسوٹی پر جو کھرا اُترے وہ کھرا ہے اور جو کھوٹا اُترے وہ کھوٹا ہے۔ اسلامی نظام زندگی کی تعمیر کے لیے ان حقیقتوں پر پختہ یقین رکھنا ہے، دل کا پورا اطمینان درکار ہے، دماغ کی کامل یکسوئی درکار ہے۔ جو لوگ اس معاملے میں ادنیٰ تذبذب بھی رکھتے ہوں، یا جن کی دلچسپیاں ابھی دوسری راہوں سے وابستہ ہوں، انہیں اس عمارت کے معمار بن کر آنے سے پہلے اپنی اس کمزوری کا علاج کرنا چاہیے۔

تیسرا لازمی وصف یہ ہے کہ آدمی کا عمل اس کے قول کے مطابق ہو۔ جس چیز کو وہ حق مانتا ہے اس کا اتباع کرے۔ جس کو باطل قرار دیتا ہے اس سے اجتناب کرے۔ جسے اپنا دین کہتا ہے اسے اپنی سیرت و کردار کا دین بنائے۔ اور جس چیز کی طرف وہ دنیا کو دعوت دیتا ہے سب سے پہلے خود اس کی پیروی اختیار کرے۔ اوامر کے اتباع اور نواہی سے اجتناب کے لیے کسی خارجی دباؤ یا اثر کا محتاج نہ ہونا چاہیے۔ صرف یہ چیز کہ ایک کام اللہ کی خوشنودی کا موجب ہے اس بات کے لیے کافی ہونی چاہیے کہ وہ دلی رغبت و شوق کے ساتھ اسے کرے۔ اور صرف یہ بات کہ ایک کام اللہ کے ہاں ناپسندیدہ ہے اس حد تک مؤثر ہونی چاہیے کہ وہ اس سے رُک جائے۔ اس کی یہ کیفیت صرف معمولی حالات ہی میں نہ ہونی چاہیے، بلکہ اس کی سیرت میں اتنی طاقت ہونی چاہیے کہ وہ غیر معمولی بگاڑ کے ماحول میں ہر خوف اور ہر لالچ کا مقابلہ کرکے اور ہر مزاحمت سے نبرد آزما ہو کر بھی راہِ راست پر ثابت قدم رہ سکے۔ جو لوگ اس وصف سے خالی ہوں وہ اصلاح و تعمیر میں مددگار تو ہو سکتے ہیں مگر اس کے اصل کارکن نہیں ہو سکتے۔ اس کام میں مددگار تو ہر وہ شخص ہو سکتا ہے جو اسلام کے لیے کوئی عقیدت اپنے اندر رکھتا ہے۔ بلکہ جو منکر اور مخالف و مزاحم نہیں ہے وہ بھی ایک حد تک مددگار ہے لیکن ایسے مددگار کروڑوں کی تعداد میں بھی موجود ہوں تو عملاً اسلامی نظام برپا نہیں ہو سکتا اور جاہلیت کے فروغ کی رفتار رُک نہیں سکتی۔ عملاً یہ کام صرف اسی وقت ہو سکتا ہے جبکہ اسے کرنے کے لیے ایسے لوگ اٹھیں جو علم و یقین کی نعمت کے ساتھ سیرت و کردار کی طاقت بھی رکھتے ہوں اور جن کے ایمان و ضمیر میں اتنی زندگی موجود ہو کہ وہ کسی خارجی محرک

کے بغیر خود اپنی اندرونی تحریک سے دین کے تقاضے پورے کرنے لگیں۔ اس طرح کے کارکن برسرِکار آجائیں تو اُن بہت سے ہمدردوں اور مددگاروں کی موجودگی بھی اپنا فائدہ دے سکتی ہے جو مسلم معاشرے ہی میں نہیں، غیر مسلم معاشرے تک میں ہر جگہ پائے جاتے ہیں۔

ان تین صفات کے ساتھ ایک چوتھی صفت بھی اصلاح و تعمیر کے کارکنوں میں پائی جانی چاہیے، اور وہ یہ ہے کہ اعلاءِ کلمۃ اللہ اور اقامتِ دین اُن کے لیے محض ایک خواہش اور تمنا کا درجہ نہ رکھتی ہو بلکہ وہ اسے اپنی زندگی کا مقصد بنائیں۔ ایک قسم کے لوگ تو وہ ہوتے ہیں جو دین سے واقف ہوتے ہیں، اس پر ایمان رکھتے ہیں اور اس کے مطابق عمل بھی کرتے ہیں۔ مگر اسے قائم کرنے کی سعی و جہد ان کا وظیفۂ زندگی نہیں ہوتی، بلکہ وہ نیکی اور نیک عملی کے ساتھ اپنی دنیا کے معاملات میں لگے رہتے ہیں۔ یہ بلاشبہ صالح لوگ ہیں، اور اگر اسلامی نظامِ زندگی عملاً قائم ہو چکا ہو تو یہ اس کے اچھے شہری ہو سکتے ہیں۔ لیکن جہاں نظامِ جاہلیت پوری طرح چھایا ہوا ہو اور کام یہ درپیش ہو کہ اسے ہٹا کر نظامِ اسلام اس کی جگہ قائم کرنا ہے، وہاں صرف اس درجے کے نیک لوگوں کی موجودگی سے کچھ نہیں بن سکتا۔ وہاں ضرورت ان لوگوں کی ہوتی ہے جن کے لیے یہ کام عین ان کا مقصدِ زندگی ہو۔ وہ دنیا کے دوسرے کام تو جینے کے لیے کریں مگر خود جینا اُن کا اِس ایک مقصد کے لیے ہو۔ اِس مقصد میں وہ مخلص ہوں۔ اِسی کی لگن ان کے دل کو لگی ہوئی ہو۔ اِس کے حصول کی کوشش کا وہ پختہ عزم رکھتے ہوں۔ اس کام میں اپنا وقت، اپنا مال، اپنے جسم و جان کی توتیں، اور اپنے دل و دماغ کی صلاحیتیں کھپا دینے کے لیے وہ تیار ہوں۔ حتیٰ کہ اگر سردھڑ کی بازی لگا دینے کی ضرورت پیش آجائے تو وہ اس سے بھی منہ نہ موڑیں۔ جاہلیت کے جنگل کو کاٹ کر اسلام کی راہ ہموار کرنا ایسے ہی لوگوں کا کام ہے۔

یہ چار اوصاف ——— دین کا صحیح فہم، اُس پر پختہ ایمان، اُس کے مطابق سیرت و کردار، اور اُس کی اقامت کو مقصدِ زندگی بنانا ——— وہ بنیادی اوصاف ہیں جو فرداً فرداً اُن تمام لوگوں میں موجود ہونے چاہئیں جو اسلامی نظامِ زندگی کی تعمیر کے لیے کچھ کرنا چاہتے ہوں۔ ان کی اہمیت یہ ہے کہ اگر ان اوصاف کے حامل افراد

بہم نہ پہنچیں تو اس کام کا سرے سے تصور ہی نہیں کیا جا سکتا۔

اب یہ کہنے کی کوئی حاجت نہیں ہے کہ اس طرح کے افراد کا، اگر وہ فی الواقع کچھ کرنا چاہتے ہوں، مل کر ایک جماعت کی صورت میں کام کرنا بہر حال ضروری ہے، قطع نظر اس سے کہ وہ کس جماعت میں ملیں اور کس نام سے کام کریں۔ ہر صاحبِ عقل آدمی اس بات کو خود جانتا ہے کہ اجتماعی نظام میں کوئی تغیر محض انفرادی کوششوں سے نہیں ہو سکتا، اس کے لیے بکھری ہوئی مساعی نہیں بلکہ سمٹی ہوئی مساعی درکار ہوتی ہیں۔ لہٰذا اسے ایک مسلّم حقیقت فرض کرتے ہوئے اب ہم اُن اوصاف کو لیتے ہیں جو اس طرح کی جماعت میں من حیث الجماعت پائے جانے چاہئیں

ایسی جماعت کا اولین وصف یہ ہونا چاہیے کہ اس کے شرکاء آپس میں محبت کرنے والے ہوں۔ ایک دوسرے کے مخلص، خیر خواہ اور ہمدرد ہوں۔ ایک دوسرے کے ساتھ ایثار کا معاملہ کریں۔ جس طرح ایک عمارت اسی وقت مستحکم ہوتی ہے جبکہ اس کی اینٹیں باہم مضبوطی کے ساتھ پیوستہ ہوں، اور اینٹوں کو جوڑنے والی چیز سیمنٹ ہے، اسی طرح ایک جماعت بھی اسی وقت بنیان مرصوص بنتی ہے جبکہ اس کے ارکان کے دل ایک دوسرے سے جڑے ہوتے ہوں اور دلوں کو جوڑنے والی چیز مخلصانہ محبت ہے، آپس کی خیر خواہی و ہمدردی ہے، اور ایک دوسرے کے ساتھ ایثار کا معاملہ ہے۔ نفرت کرنے والے دل کبھی نہیں مل سکتے۔ منافقانہ میل جول کوئی حقیقی اتحاد پیدا نہیں کر سکتا۔ خود غرضانہ اتحاد نفاق کا پیش خیمہ ہوتا ہے۔ اور محض ایک روکھا سوکھا کاروباری تعلق کسی رفاقت کی بنیاد نہیں بن سکتا۔ کوئی دنیوی غرض ایسے بے جوڑ عناصر کو جمع بھی کر دے تو وہ صرف بکھرنے کے لیے جمع ہوتے ہیں اور باہر کچھ بنانے کے بجائے آپس ہی میں کٹ مرتے ہیں۔ ایک مضبوط جماعت صرف اسی وقت وجود میں آتی ہے جبکہ اپنے خیالات میں مخلص اور اپنے مقصد سے محبت رکھنے والے لوگ باہم مجتمع ہوں اور پھر خیالات کا یہی اخلاص اور مقصد سے یہی محبت ان کے اندر آپس میں بھی اخلاص و محبت پیدا کر دے۔ اس طرح کی جماعت حقیقت میں ایک سیسہ پلائی ہوئی دیوار ہوتی ہے جس کے اندر فساد ڈالنے کے لیے شیطان کوئی شگاف نہیں پاتا، اور باہر سے مخالفتوں کے سیلاب اٹھا اٹھا کر لاتا بھی ہے تو اسے اپنی جگہ سے نہیں ہلا سکتا۔

دوسرا ضروری وصف یہ ہے کہ اس جماعت کو باہمی مشورہ سے کام کرنا چاہیے، اور آدابِ مشاورت کو ہمیشہ ملحوظ رکھنا چاہیے۔ خود سر لوگوں کی جماعت، جس میں ہر شخص اپنی من مانی کرے، حقیقت میں کوئی جماعت نہیں ہوتی بلکہ محض ایک منڈلی ہوتی ہے جس سے کوئی کام بھی بن نہیں آسکتا۔ اور وہ جماعت بھی زیادہ دیر تک نہیں چل سکتی جس میں کوئی ایک شخص، یا چند با اثر اشخاص کا ایک ٹولا مختارِ کل بن جائے اور باقی سب لوگوں کا کام صرف اس کے اشاروں پر چلنا ہو۔ صحیح کام صرف مشاورت ہی سے ہو سکتا ہے، کیونکہ اس طرح نہ صرف یہ کہ بہت سے دماغ بحث و تمحیص سے ہر معاملے کے اچھے اور برے پہلوؤں کا جائزہ لے کر ایک بہتر نتیجے پر پہنچ سکتے ہیں، بلکہ اس سے دو فائدے اور بھی ہوتے ہیں۔ ایک یہ کہ جس کام میں پوری جماعت کا مشورہ بالواسطہ یا بلاواسطہ شامل ہو اسے پوری جماعت اطمینانِ قلب کے ساتھ انجام دینے کی کوشش کرتی ہے اور کسی کو یہ خیال نہیں ہوتا کہ ہم پر ایک چیز اوپر سے ٹھونس دی گئی ہے۔ دوسرے یہ کہ اس طریقے سے پوری جماعت کو معاملہ فہمی کی تربیت ملتی ہے، ہر ہر فردِ جماعت اور اس کے معاملات سے دلچسپی لیتا ہے اور اس کے فیصلوں میں اپنی ذمہ داری محسوس کرتا ہے۔ لیکن شرط یہ ہے کہ مشاورت کے ساتھ آدابِ مشاورت کو بھی ملحوظ رکھا جائے۔ آدابِ مشاورت یہ ہیں کہ ہر شخص ایمانداری کے ساتھ اپنی رائے پیش کرے اور کوئی بات دل میں چھپا کر نہ رکھے۔ بحث میں ضد، ہٹ دھرمی اور کسی قسم کے تعصب کا دخل نہ ہو۔ اور جب کثرتِ رائے سے ایک فیصلہ ہو جائے تو اختلاف رکھنے والے چاہے اپنی رائے نہ بدلیں مگر جماعتی فیصلے کو پوری خوشدلی کے ساتھ عمل میں لانے کی کوشش کریں۔ یہ تین باتیں اگر نہ ہوں تو مشاورت کے تمام فوائد ضائع ہو جاتے ہیں، بلکہ یہی چیز آخر کار جماعت میں پھوٹ ڈال دیتی ہے۔

تیسرا اہم وصف ہے نظم و ضبط، باضابطگی و باقاعدگی، باہمی تعاون، اور ایک ٹیم کی طرح کام کرنا۔ ایک جماعت اپنی تمام خوبیوں کے باوجود صرف اس وجہ سے ناکام ہو جاتی ہے کہ وہ اپنے فیصلوں اور منصوبوں کو عمل میں نہیں لا سکتی، اور یہ نتیجہ ہوتا ہے ضبط و نظم کی کمی اور تعاون کے فقدان کا۔ تخریبی کام محض ہلڑ سے بھی انجام پاسکتے ہیں، مگر کوئی پائیدار تعمیری کام منظم سعی کے بغیر نہیں ہو سکتا۔ اور منظم سعی نام ہے اس چیز کا کہ جماعت کا جو

ضابطہ تجویز کیا گیا ہو، پوری جماعت اس کی پابندی کرے۔ جماعت میں جس کو جس درجہ میں بھی صاحب امر بنایا گیا ہو اس کے احکام کی اطاعت کی جائے۔ جماعت کا ہر شخص فرض شناس ہو اور اپنے ذمہ کا کام ٹھیک وقت پر مستعدی کے ساتھ انجام دینے کی کوشش کرے۔ جن کارکنوں کو جو کام مل کر کرنا ہو وہ ایک دوسرے کے ساتھ پورا تعاون کریں۔ اور جماعت کی مشین اس قدر حسّیت ہو کہ ایک فیصلہ ہوتے ہی اس کو عمل میں لانے کے لیے تمام پرزے حرکت میں آجائیں۔ دنیا میں اگر کوئی کام بنا سکتی ہیں تو ایسی ہی جماعتیں بنا سکتی ہیں۔ ورنہ اُن جماعتوں کا تو عدم اور وجود برابر ہوتا ہے جنہوں نے پرزے تو فراہم کر لیے ہوں مگر اُن کو جوڑنے اور کس کر ایک مشین کی طرح باقاعدہ چلانے کا کوئی انتظام نہ کیا ہو۔

آخری اور نہایت اہم وصف یہ ہے کہ جماعت میں تنقید بغرض اصلاح کی روح بھی موجود ہو اور اس کا سلیقہ بھی پایا جاتا ہو۔ اندھے معتقدوں، اور سادہ لوح متعقدوں کا گروہ خواہ کیسے ہی صحیح مقام سے کام کا آغاز کرے، اور کیسے ہی صحیح مقصد کو سامنے رکھ کر چلے، بہر حال آخر کار وہ بگڑتا چلا جاتا ہے۔ کیونکہ انسانی کام میں کمزوریاں کا رونما ہونا فطرتاً ناگزیر ہے، اور جہاں کمزوریوں پر نگاہ رکھنے والا کوئی نہ ہو، یا ان کی نشان دہی کرنا معیوب ہو، وہاں غفلت کی وجہ سے یا مجبورانہ سکوت کے باعث ہر کمزوری سکون و اطمینان کا آشیانہ پاتی چلی جاتی ہے اور انڈے بچے دینے لگتی ہے۔ جماعت کی صحت و تندرستی کے لیے روح تنقید کے فقدان سے بڑھ کر کوئی چیز نقصان دہ نہیں ہے، اور تنقیدی فکر کو دبانے سے بڑھ کر جماعت کے ساتھ کوئی اور بدخواہی نہیں ہوسکتی۔ یہی تو وہ چیز ہے جس کے ذریعہ سے خرابیاں بروقت سامنے آجاتی ہیں اور ان کی اصلاح کی سعی کی جاسکتی ہے۔ لیکن تنقید کے لیے شرط لازم یہ ہے کہ وہ عیب چینی کی نیت سے نہ ہو بلکہ اخلاص کے ساتھ اصلاح کی نیت سے ہو۔ اور اس کے ساتھ دوسری اتنی ہی ضروری شرط یہ ہے کہ تنقید کرنے والوں کو تنقید کا سلیقہ آتا ہو۔ ایک نیک نیت ناقد بھی بے ڈھنگی بے موقع اور بھونڈی تنقید سے جماعت کو وہی نقصان پہنچا سکتا ہے جو ایک عیب چیں اور بد نیت مفسد کے ہاتھوں پہنچنا ممکن ہے۔